© rasailojaraid.com

دہلی کے مقتول مشائخ

ڈاکٹر شریف حسین قاسمی شعبۂ فارسی دہلی یونیورسٹی، دہلی

مشورہ دیا۔ منصوبے کے تحت جمعہ کے دن محضر طلب کیا گیا۔ اکابر دہلی کو محضر میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ ملزمان پیش کیے گئے۔ پوچھ تاچھ ہوئی۔ سلطان نے ان سے دریافت کیا:

درویشاں را در کار مملکت و امور سلطنت چہ گذر؟

(مملکت کے کاموں اور امور سلطنت سے درویشوں کا کیا سروکار؟)

سیدی مولہ نے اپنے خلاف لگائے گئے تمام الزامات کی تردید و تکذیب کی اور انھیں بے بنیاد ٹھہرایا۔ دوسرے بھی اپنی بے گناہی کا اظہار کرتے رہے۔ سلطان نے دربار میں حاضر درویشوں سے کہا:

شما چرا بر سیدی مولہ اجرا نمی کنید؟

اس کے بعد دو قلندروں اور ایک حیدری درویش نے سیدی مولہ کی داڑھی پکڑلی اور انھیں زمین پر گرا دیا۔ سوا اس کے پہلو میں اور ایک پتھر ان کے سر پر مارا۔ ارکلی خاں نے ہاتھی بانوں کو حکم دیا کہ وہ سیدی مولہ کو کچل دیں[۵۸]۔

کہا جاتا ہے کہ اس واقعۂ جاں کاہ کے رونما ہونے سے ایک ماہ قبل ہی سے سیدی مولہ رات دن یہ اشعار پڑھتے اور ہنستے تھے، جیسے انھیں اپنے ساتھ پیش آنے والی دردناک صورتِ حال سے آگاہی حاصل تھی اور وہ اسے اپنے خالق کا عطیہ سمجھ کر جھولی پھیلائے اس کے بے چینی سے منتظر تھے:

در مطبخ عشق جز نکو را نکشند — لاغر صفتان و زشت خو را نکشند
گر عاشق صادقی ز کشتن مگریز — مردار بود ہر آنچہ او را نکشند

(مطبخ عشق میں صرف نیکو کار ہی قتل کیے جاتے ہیں۔ یہاں کمزور اور بد اطوار قتل نہیں کیے جاتے۔ اگر تو عاشقِ صادق ہے تو قتل ہونے سے پہلو تہی نہ کر چونکہ وہ لوگ جو قتل نہیں کیے گئے

[۵۸] یہ پورا واقعہ تاریخ مبارک شاہی: ۶۵-۶۷ سے ماخوذ ہے۔ [۵۹] تاریخ مبارک شاہی:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہرحال سیدی مولہ نے اپنی زندگی قربان کر دی اور اُن عاشقانِ صادق میں شامل ہو گئے جو خود ان کے بقول "مردار نہیں، زندہ و فعال ہوتے ہیں۔"

سیدی مولہ دہلی آتے ہوئے جب حضرت بابا فرید کے یہاں رہے تھے،[۱] تو حضرت بابا صاحب نے انھیں ایک نصیحت کی تھی اور آگاہ و متنبہ کیا تھا کہ "دہلی جارہے ہو۔ وہاں نام پیدا کرنا چاہتے ہو۔ اپنے لیے جو بہتر سمجھو وہی کرنا۔ یہ تمہارا اپنا ذاتی معاملہ ہے، لیکن میری ایک وصیت کا خیال رکھنا۔ ملوک و امرار کے ساتھ اختلاط نہ رکھنا۔ اپنے گھر میں ان کی آمد ورفت کو مہلک سمجھنا۔ جو ملوک و امرار سے ملتا جلتا ہے اس کا انجام بخیر نہیں ہوتا"[۲]

حضرت بابا صاحب کی یہ تجویز پڑھ کر ایسا احساس ہوتا ہے کہ آپ کو سیدی مولہ کے عزائم و آیندہ رویے کے نتیجے میں ان کے ساتھ پیش آنے والے واقعات پہلے ہی سے نظر آرہے تھے۔ وہ سیدی مولہ کو اپنے بزرگوں کے اس طرزِ عمل کی یاد دلا رہے تھے، جس کی بنا پر کسی چشتی بزرگ نے دربارِ وقت سے کوئی سروکار نہیں رکھا اور صاحبانِ دنیا سے دوستی کے نتیجے میں ہر قسم کی نکبتوں اور ہزیمتوں سے محفوظ و مامون رہے۔

عجیب اتفاق ہے کہ سیدی مولہ کے قتل کے بعد ہندوستان میں غیر معمولی واقعات رونما ہوئے۔ بارش نہیں برسی، قحط سالی نے، دانے دانے کو ترسا دیا۔ مہنگائی نے کمر توڑ دی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ دہلی آتے اور بیس تیس آدمی ایک جگہ جمع ہو کر بھوک کی وجہ سے خود کو دریا میں گرا دیتے اور غرقِ آب ہو جاتے۔ دو سال تک

---

۱ فرشتہ نے ملفوظات عین الدین بیجاپوری کے حوالے سے لکھا ہے کہ "سیدی مولہ بقصدِ زیارت شیخ فرید الدین شکر گنج بہ ہندوستان شتافت" (سیدی مولہ شیخ فرید الدین شکر گنج کی زیارت کے لیے ہندوستان آئے) اس کے برخلاف برنی (ص: ۲۰۹) کا بیان ہے کہ بابا صاحب کے یہاں بلا کسی خاص سبب یا ارادے کے دو تین دن مقیم رہے۔

۲ تاریخ فیروز شاہی برنی ۲۰۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ صورتِ حال باقی رہی۔ زندگی وبالِ جان بن گئی۔ لوگ پریشان حال ہو گئے۔ علماء وفقراء نے دعائیں کیں۔ اسی موقع پر قاضی عالم نے اہلِ دنیا کو دو برس پہلے ایک بے گناہ درویش کے ساتھ کیے جانے والے وحشیانہ سلوک کی یاد دلائی اور باور کرانے کی کوشش کی کہ سیدی مولہ کے ساتھ جو ناانصافی کی گئی تھی، اس کی سزا سب کو بھگتنی پڑ رہی ہے۔ مجازات ومکافاتِ عمل کا قانونِ الٰہی اپنا کام انجام دے رہا ہے۔ قاضی عالم نے عصامی کے الفاظ میں کہا:

بدانید کیں فتنہ از جرم ماست گمانِ غلط بردرِ حق خطاست
گر از ما نگردد گنہ آشکار نیاید عتاب از درِ کردگار

(سمجھ لو کہ یہ فتنہ وفساد ہمارے اپنے جرم کی سزا ہے، حق بات پر غلط گمان کرنا غلطی ہے۔ اگر ہماری طرف سے گناہ نہ ہوں تو خداوند کریم کی جانب سے عتاب نازل نہیں ہوتا۔)

بہرحال مکافات ومجازاتِ عمل کا قانون پھر حرکت میں آیا اور اس واقعۂ اندوہناک کے دو سال بعد سلطان جلال الدین خلجی کو بھی قتل کر دیا گیا۔

یہ سب پر واضح ہے کہ محمد بن تغلق کا دور ہندوستان کی تاریخ میں چند وجوہ سے ایک قسم کا ہنگامی دور تھا۔ اس نے اصلاحات کرنے کے جوش میں افراط وتفریط کا رویہ اپنایا۔ صوفیا، مشائخ اور علماء کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا۔ ذاتی اغراض ومقاصد کے لیے انھیں سخت سزائیں بھی دیں۔ عام طور پر ان سزاؤں کی اصل وجہ حکومتِ وقت کی روش سے ان مشائخ وعلماء کا عدمِ اشتراک وتعاون تھا۔ سلطان سماج کے اس بااثر طبقے کا یہ عدمِ تعاون برداشت نہ کر سکا۔ اس نے ردِّ عمل کے طور پر اس طبقے کے افراد کو ایسی سزائیں بھی دیں جو شرعی حدود سے متجاوز نظر آتی ہیں۔

محمد بن تغلق اور مشائخِ کرام کے ناخوشگوار تعلقات کا مطالعہ کرتے وقت اس پہلو کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

توجہ ماننی چاہیے کہ اس دور میں امام ابن تیمیہ کی تحریک کی گونج ہندوستان تک پہنچ چکی تھی امام ابن تیمیہ کے ایک شاگرد امام عبدالعزیز اردبیلی اسی دور میں دہلی آئے تھے۔ محمد بن تغلق نے ان کے ارشاداتِ عالی کو توجہ سے سنا تھا اور ایک موقع پر سلطان نے اظہارِ مسرت و عقیدت کے طور پر ان کے قدم چومے تھے[1]

امام ابن تیمیہ نے مسلمانوں کی سماجی، دینی اور سیاسی زندگی کے ہر ہر پہلو کو قرآن وسنت کی کسوٹی پر کسا تھا۔ کھوٹے اور کھرے میں تمیز کی جستجو کی تھی۔ اصلاح کے لیے قلمی اور عملی پُرخلوص جدوجہد کی تھی۔ خاص طور پر تصوف اور اس سے متعلق مختلف امور پر امام ابن تیمیہ نے شدید تنقید و اعتراضات کیے تھے۔ بعید نہیں اگر یہ نتیجہ نکالا جائے کہ مشائخ کرام سے محمد بن تغلق کے تعلقات اور مشائخ کی زندگی اور افکار و عقاید کے بارے میں اس کا سخت رویہ ایک حد تک ابن تیمیہ کے افکار و خیالات سے متاثر رہا۔

محمد بن تغلق کے زمانے میں دو صوفیائے کرام کو دہلی میں قتل کیا گیا۔ حسنِ اتفاق دیکھیے دونوں ہم نام ہیں۔ ایک شیخ شہاب الدین حق گو بن شیخ فخرالدین زاہدی اور دوسرے شیخ شہاب الدین ابن شیخ احمد جام خراسانی۔

محمد بن تغلق بعض ان ذہنی الجھنوں کا بھی شکار تھا جو عقلیت پسندی میں غلو کا لازمی نتیجہ ہیں۔ اپنے اسی طرزِ فکر کی بنا پر اس نے شیخ شہاب الدین حق گو سے کہا کہ عقل نبوت کے خاتمے کو تسلیم نہیں کرتی۔ سلطان کے یہ الفاظ اسلام کے بنیادی اصولوں سے متصادم ہیں۔ اس لیے یہ سن کر ظاہر ہے شیخ صاحب کو غصہ آگیا۔ محمد غوثی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ شیخ شہاب الدین سلطان کی اس بے سروپا نظریے سے ناراض ہو کر اتنے آپے سے باہر ہوئے کہ انھوں نے اپنا جوتا پاؤں سے اتارا اور سلطان کے منہ پر کھینچ مارا[2]۔ سلطان یہ بے عزتی کہاں برداشت

---

[1] عجائب الاسفار: ۱۱۳ (سفرنامۂ ابن بطوطہ: ۲۰۴)

[2] گلزارِ ابرار: ص ۴۶ ؛ محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ محمد بن تغلق نے (باقی صفحہ آئندہ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرکشتا تھا۔ اس نے شیخ حق گو کو قلعے کے اوپر سے خندق میں پھینک دینے کا حکم دیا۔ اس کے نتیجے میں شیخ شہاب الدین حق گو کا وصال ہو گیا۔

شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی کی تحقیق یہ ہے کہ سلطان محمد بن تغلق نے شیخ شہاب الدین سے مطالبہ کیا کہ وہ اسے محمد عادل کے لقب سے پکاریں۔ شیخ صاحب اس بات کے لیے راضی نہیں ہوئے اور مصر رہے کہ وہ ایک ظالم کو عادل نہیں کہیں گے۔[1] بہرحال شیخ شہاب الدین کو حق گوئی میں قتل کی سزا ۷۳۰/۱۳۲۹ء میں دی گئی۔ اس واقعہ پر علامہ اقبال کا یہ شعر بے ساختہ زبان پر آتا ہے جس میں ایسے ہی حق گو اور بے باک انسانوں کو جواں مرد سے تعبیر کیا گیا ہے:

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

شیخ شہاب الدین ابن شیخ احمد جام خراسانی وہ دوسرے بزرگ ہیں جو محمد بن تغلق کے حکم سے دہلی میں قتل کر دیے گئے تھے۔ یہ اپنے زمانے کے مشہور بزرگ تھے۔ چودہ چودہ دن تک برابر روزہ رکھتے۔ بعض بادشاہ جیسے سلطان قطب الدین (۷۱۶/۱۳۱۶) اور غیاث الدین (۷۲۰/۱۳۲۰) ان سے عرضِ ارادت کے لیے ملاقات کرتے۔ محمد بن تغلق نے حکومت کی ایک ذمے داری ان کے سپرد کرنی چاہی۔ آپ نے انکار کر دیا۔ سلطان نے بھرے دربار میں دوبارہ ان کے سامنے اپنی تجویز دہرائی۔ آپ نے تب بھی یہ ذمے داری

(بقیہ صفحہ گذشتہ) غرورِ سلطنت میں مبتلا ہو کر مخدوم مولانا عماد الدین غوری سے بھی یہ کہا تھا کہ: فیضِ خدا منقطع نہیں ہوتا اس لیے فیضِ نبوت کیسے منقطع ہو سکتا ہے۔ آج اگر کوئی پیغمبری کا دعویٰ کرے اور معجزے دکھائے تو کیا آپ اس کی پیغمبری کی تصدیق کریں گے؟ مولانا عماد الدین نے جواب دیا تھا کہ حماقت کیوں کرتا ہے۔ ایسا نہیں کہنا چاہیے۔ محمد تغلق نے انھیں بھی ذبح کرا دیا اور ان کی زبان کھنچوا دی۔ اخبار الاخیار: ۱۹۵۔

[1] اخبار الاخیار، ص ۱۲۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قبول کرنے سے گریز کیا۔ سلطان غضبناک ہو گیا۔ اس نے شیخ ضیاء الدین سمنانی کو حکم دیا کہ وہ شیخ کی داڑھی نوچ لیں۔ شیخ ضیاء الدین سمنانی کے سینے میں ایک حسّاس دل تھا جو خوف خدا سے سرشار تھا۔ انھوں نے سلطان کی حکم عدولی کی۔ گویا شیخ شہاب الدین کی بزرگی کا پاس رکھا اور ان کے قول و فعل کو حق بجانب قرار دیا۔ ظاہر ہے سلطان صداقت کے اس برملا اظہار کا متحمل نہ ہو سکا۔ اس نے شیخ ضیاء الدین کی داڑھی بھی نوچ دینے کا حکم دیا اور سزا کے طور پر شیخ شہاب الدین کو دولت آباد بھیج دیا گیا۔ جلاوطنی کی اس زندگی پر جب سات برس بیت گئے تو سلطان نے انھیں واپس دہلی بلوا لیا۔ ان کی تعظیم و تکریم کی اور عاملوں سے بقایا وصول کرنے کا کام ان کو سونپ دیا۔ ان کے مراتب میں اضافہ بھی کیا۔ امراء و اعیانِ سلطنت انھیں سلام کرنے جاتے تھے۔ شیخ شہاب الدین کے حق میں سلطان محمد تغلق کی نوازشات و انعامات کے نتیجے میں انھیں سرکاری حلقوں میں وہ اعلیٰ مقام حاصل ہو گیا جو حتیٰ کہ شاہی گھرانے میں بھی کسی کو حاصل نہیں تھا۔ اسی اثناء میں سلطان اودھ میں اپنی بسائی ہوئی نئی بستی "سرگ دواری" چلا گیا اور شیخ صاحب سلطان کی اجازت سے دہلی میں مقیم رہے۔

بادشاہ نے شہر سے چھ میل کے فاصلے پر ایک وسیع قطعۂ آراضی انھیں عطا کر دیا۔ شیخ صاحب نے ایک بڑا غار اس زمین میں تعمیر کرا لیا۔ اس میں رہائش کی گنجائش نکالی۔ گودام تیار کرائے۔ تنور لگوائے۔ حمّام بنوائے۔ جمنا سے ایک نہر کاٹ کر اس قطعۂ آراضی سے جوڑ دی گئی۔ شیخ صاحب کے خدّام دن بھر زمین پر کام کرتے، کھیتی باڑی کرتے اور رات کو اپنے مویشی لے کر غار میں چلے جاتے اور غار کا دروازہ بند کر دیا جاتا۔ گویا شیخ صاحب نے اپنی ایک الگ ہی دنیا بسالی جہاں وہ شانِ بے نیازی سے زندگی گذارنے لگے۔

کچھ عرصے بعد سلطان نے شیخ شہاب الدین کو اپنی خدمت میں بلا بھیجا۔ آپ نے دربار میں حاضر ہونے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں اس ظالم بادشاہ کی کوئی خدمت نہیں کر سکتا۔ سلطان نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انھیں زبردستی دربار میں پیش کرنے کا حکم دیا۔ انھیں دربار میں لایا گیا۔ سلطان نے ان سے پوچھا مجھے ظالم کہنے کا سبب کیا ہے۔؟

شیخ صاحب نے اس کے مظالم شمار کرانے شروع کردیے۔ خصوصیت کے ساتھ اس ظلم کا ذکر کیا جو ان کی نظر میں دہلی کے باشندوں کو دیوگیر (دولت آباد) بھیجنے پر اس نے ڈھائے تھے۔ سلطان نے یہ الزامات سن کر اپنی تلوار میان سے نکالی۔ صدرجہاں کو دی اور شیخ صاحب سے کہا: مجھے ظالم ثابت کرو اور میری گردن اس تلوار سے اڑادو۔ شیخ صاحب نے جواب دیا: جو شخص تجھے ظالم کہے یا ثابت کرے گا، اس کی گردن تن سے جدا کر دی جائے گی، لیکن تو خود واقف ہے کہ تو ظالم ہے۔

سلطان یہ گفتگو سن کر بھڑک اٹھا۔ اس نے حکم دیا کہ شیخ صاحب کو ہتھکڑیاں لگا دی جائیں اور بیڑیاں پہنا دی جائیں۔ مختصر یہ کہ شیخ صاحب گرفتار کر لیے گئے۔ قید خانے میں آپ نے چودہ روز تک کچھ نہیں کھایا پیا۔ انھیں روزانہ دربار میں لایا جاتا۔ فقہا و مشائخ انھیں اپنے کہے پر اظہارِ ندامت کی ترغیب دیتے۔ شیخ صاحب انکار کر دیتے اور اپنے عزمِ جلیل کا اظہار کرتے کہ: میں شہدا کے زمرے میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔

چودھویں روز سلطان نے مخلص الملک کے ہاتھوں شیخ صاحب کے لیے کھانا بھجوایا۔ شیخ صاحب نے حسبِ سابق کھانے سے انکار کر دیا اور کہا: میرا رزق اس دنیا سے اٹھ چکا ہے سلطان کو ان کے اس اصرار کا علم ہوا تو اس نے حکم دیا کہ انھیں گوبر کھلایا جائے۔ اس کام پر غیر مسلم مامور کیے گئے۔ شیخ کے مرتبے سے ناواقف ان لوگوں نے شیخ صاحب کو زمین پر چت لٹا دیا اور منہ میں گوبر ڈال دیا۔ اگلے روز پھر شیخ صاحب کو قاضی صدر جہاں کے گھر لایا گیا۔ فقہا، مشائخ اور دوسرے ممالک کے چند لوگ وہاں جمع تھے۔ ان لوگوں نے اتمام حجت کے طور پر شیخ صاحب کو نصیحت کی کہ وہ اپنے الفاظ واپس لے لیں، لیکن شیخ صاحب نے انھیں دربار میں سرخ... ئی حاصل کرنے کا موقع نہیں دیا۔ اس لیے سلطان نے انھیں قتل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر دینے کا حکم سنا دیا اور انھیں قتل کر دیا گیا۔

یہ واقعہ ابن بطوطہ نے بیان کیا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ سلطان کو یہ شبہہ ہو گیا تھا کہ شیخ صاحب کے بنائے ہوئے غار میں ایسے افراد بھی جمع ہوتے ہیں جو اس کے خلاف سازش کر سکتے ہیں اور اسے مصیبت میں ڈال سکتے ہیں۔ ابن بطوطہ خود ایک بار شیخ صاحب کا بنوایا ہوا یہ غار دیکھنے گیا تھا۔ سلطان نے شیخ صاحب کو گرفتار کرنے کے بعد ان کے لڑکوں سے دریافت کیا تھا کہ شیخ سے ملنے کون کون لوگ آتے تھے۔ ظاہر ہے لڑکوں نے ابن بطوطہ کا نام بھی اس ضمن میں سلطان کو بتایا ہو گا اور ابن بطوطہ بھی سہم گیا ہو گا۔

فیروز شاہ کا عہد (۷۵۲ھ ـ ۷۹۰ھ/۱۳۵۱ ـ ۱۳۸۸) آیا۔ یہ ایک دیندار بادشاہ سمجھا گیا ہے۔ علماء، مشایخ اور عوام و خواص سب ہی اس کے جذبۂ دین کے قائل ہیں۔ اولیائے حضرت الٰہ، حاملِ خصائلِ انبیاء، نائب رسول اور مہدیِ عصر ایسے القاب سے اسے یاد کیا گیا ہے۔ اس کے عہد میں بھی مذہب و شریعت کے نام پر مختلف افراد کو قتل کیا گیا۔ ان میں مشایخ بھی تھے۔

فیروز شاہ خود اپنی فتوحات میں لکھتا ہے کہ بہار کا ایک احمد نامی شخص دہلی میں سکونت پذیر تھا۔ معتقدین کا ایک گروہ اسے ہر وقت گھیرے رہتا۔ اس کے یہ معتقدین اسے خدا کہنے لگے۔ اس کا ایک خاص مرید تو یہاں تک کہتا تھا کہ "دہلی میں خدا طلوع ہوا ہے۔" اس کے علاوہ احمد بہاری پر سبِ نبی کا الزام بھی لگایا گیا تھا۔ فیروز شاہ نے احمد بہاری اور ان کے گروہ کے تمام لوگوں کو پابہ زنجیر دربار میں بلوایا۔ ان میں احمد بہاری کے دوست اور مرید خاص شیخ ع.ز کاکوی بھی تھے۔ احمد بہاری اور ان کے مرید خاص شیخ ع.ز کاکوی کو قتل کر دیا گیا اور ان کے دیگر معتقدین کو ملک کے مختلف حصوں میں بھیج کر ان کے اجتماع کو ختم کر دیا گیا۔[۱]

فیروز شاہ نے احمد بہاری اور ان کے قتل کی نوعیت و اسباب پر تفصیل سے روشنی نہیں ڈالی ہے۔

---

[۱] فتوحات فیروز شاہی، مطبوعہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ص ۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے باوجود مناقب الاصفیاء" سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ وحدت الوجودی فکر کے سدِّباب کے سلسلے میں پیش آیا۔ مشائخ کے بعض حلقوں میں اس پر اظہارِ ناراضگی کیا گیا تھا۔

شیخ احمد بہاری ایک بزرگ شخصیت کے حامل تھے۔ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری[1] (متوفی: ۷۸۲ھ/) سے ان کے گہرے تعلقات تھے۔ حالانکہ بظاہر وہ ایک دیوانے نظر آتے تھے، لیکن بہ باطن وہ اسرار و رموزِ توحید کے حامل تھے۔ وہ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری سے توحید کے موضوع پر گفتگو بھی کرتے تھے۔ البتہ عالمِ دیوانگی میں ان کی زبان سے ایسے جملے بھی نکل جاتے تھے جنھیں "سخنہائے فراخ" اور "شطح" کہا جاتا ہے اور جو عوام الناس کی فہم و ادراک سے بالاتر ہوتے ہیں۔

علماء نے ظاہر ہے ان کے افکار و خیالات کے خلاف سلطان سے شکایت کی ہوگی۔ سلطان نے محضر طلب کیا۔ اکابرِ شہر جمع ہوئے۔ سب علماء نے ان کے قتل کا فتویٰ صادر کردیا اور وہ قتل کر دیے گئے۔

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کو جب اس قتل کی اطلاع ملی تو آپ نے اظہارِ تعجب فرمایا کہ:

درشہرے کہ خونِ ایں چنیں بزرگان ریختہ شود، عجب بود اگر آں شہر آبادان بماند۔

(جس شہر میں ایسے بزرگوں کا خون بہایا جائے، تعجب ہے اگر وہ معمور و آباد رہے)

منصورِ حلاج کی نوعیت کا یہ پہلا قتل ہے جو دہلی میں ہوا۔ لیکن اس کی تفصیلات بھی

---

[1] آپ فردوسی سلسلۂ تصوف کے معروف بزرگ ہیں۔ بہار میں منیر کے مقام پر پیدا ہوئے اور اسی مقام پر دفن ہیں۔ آپ کے ملفوظات کے متعدد انتخابات دستیاب ہیں، لیکن آپ کے مکتوبات کو بہت شہرت حاصل ہے۔ آپ کے حالات و تعلیمات کے لیے مزید تفصیل کے لیے رجوع کریں: اخبار الاخیار: ۱۱۶؛ الشرف از ڈاکٹر محمد طیب ابدالی وغیرہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی طرح مستجاب نہیں۔ اس واقعہ پر بہرحال نظیری نیشاپوری کا یہ شعر پڑھیے اور بازارِ عشق میں عاشقانِ صادق کے قتل کیے جانے پر استعجاب نہ کیجیے:-

عشق صد منصور کشت و عشق صد یوسف فروخت	بوالعجب ہنگامہ گرم است در بازارِ ما

(عشق نے سینکڑوں منصور قتل کر دیے اور سینکڑوں یوسف بازار میں فروخت کر دیے۔ اس ہمارے بازار (عشق) میں عجیب و غریب نوعیت کے ہنگامے بپا ہیں)

اسی دور میں ایک اور ناخوشگوار واقعہ بھی پیش آیا۔ خود فیروز شاہ کے بقول دہلی کے ایک باشندے رکن الدین نے مہدی آخر الزماں ہونے کا اعلان و دعویٰ کر دیا۔ اس شخص نے یہ اعلان بھی کیا کہ اسے علمِ سینہ حاصل ہو گیا ہے۔ اس کے بقول "حالانکہ میں نے کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی، کسبِ فیض نہیں کیا۔ اس کے باوجود مجھ کو ان تمام مخلوقات کے ناموں کا علم ہے جنھیں سوائے آدمؑ کے اور کوئی دوسرا نہیں جانتا۔ مزید برآں علمِ حروف کے وہ راز جو کسی کو معلوم نہیں مجھ پر ظاہر کر دیے گئے ہیں۔"

رکن الدین نے اپنے دعوے کے ثبوت اور توجیہہ و تشریح میں کتابیں بھی لکھیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ لوگوں کو دعوت بھی دی کہ وہ اسے پیغمبر تسلیم کریں۔ ظاہر ہے یہ ناقابلِ برداشت صورتِ حال تھی۔ بے راہ روی کا بدترین و مذموم ترین نمونہ بھی۔ علماء نے اس خطرناک صورتِ حال اور اس کے دور رس وحشتناک نتائج سے سلطان کو آگاہ کیا۔ سلطان نے بھی رکن الدین اور اس کے ہمراہیوں کو اس طرح عبرتناک سزا دی کہ:

خاص و عام خلق درآمدہ گوشت و پوست و اعضائے او را پارہ پارہ کردند[۵۱]

(سب خاص و عام جمع ہوئے اور اس کے گوشت، کھال اور اعضائے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔)

اور اس طرح فیروز شاہ نے اپنے اس خیال و عقیدے کی عملاً توثیق کر دی کہ

---

۵۱ فتوحاتِ فیروز شاہی: ۷-۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اے کہ پائے از دائرۂ شریعت بیرون می نہند و در چیزے کہ خلاف مذہب است، اقدام می نمایند، بہ صلابت تمام وحسنِ اہتمام مانع وزاجر یا شند[۵۱]

(اور ایسے لوگ جو دائرۂ شریعت سے باہر قدم نکالیں اور ایسی چیز کو شروع کریں جو خلاف مذہب ہو تو انھیں پوری سختی اور حسنِ اہتمام کے ساتھ تنبیہ کرنی چاہیے اور روکنا چاہیے

غالباً فیروز شاہ تغلق ہی کے زمانے میں وحدۃ الوجودی فکر کے حامل ایک دوسرے صوفی کو بھی قتل کیا گیا تھا۔ یہ مسعود بک[۵۲] تھے۔ ان کا شمار سلطان فیروز کے اعزہ میں ہوتا ہے۔ ان کا اصل نام شیر خاں تھا۔ اوائل میں حکومت کی دستگاہ سے وابستہ رہے۔ جذبۂ حق غالب آیا تو تمام دینوی علائق سے ناتا توڑ لیا اور شیخ رکن الدین کی خدمت بابرکت میں پہنچ کر ان کے مرید ہو گئے۔ شیخ رکن الدین اپنے والد محترم شہاب الدین امام کے مرید و خلیفہ تھے، جنھیں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی امامت کا فخر حاصل تھا۔ انھیں شیخ شہاب الدین امام کے لیے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے امیر خسرو نے کہا تھا:

اوچو ابر کرم بہ فرقِ جہاں زیرکاں چوں صدف کشادہ دہاں

شمع من یافتہ ضیاء از وی مسِّ من گشتہ کیمیا از وے[۵۳]

(ان کا وجود دنیا پر ابر کرم کی مانند ہے۔ زیرک لوگ ان کے ابر کرم کے سامنے منہ کھولے ہوئے سیپیوں کی طرح ہیں۔ میری شمع نے انھیں سے روشنی حاصل کی ہے۔ میری ہستی کی مس انھیں سے رابطہ کی وجہ سے کیمیا بن گئی ہے)

مسعود بک کو حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی سے بھی عقیدت تھی۔ ان کی تعریف میں

---

۵۱ منشأت ماہرو ۱۸ (مطبوعہ پاکستان)

۵۲ ان کے حالات واقوال کے لیے رجوع کریں: اخبار الاخیار: ۱۶۴ – ۱۶۷؛ گلزار ابرار ۱۹۴؛ معارج الولایت (قلمی)

۵۳ گلزارِ ابرار: ص ۱۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسعود بک کا یہ شعر ملاحظہ فرمائیے:

فاہنشا و جہانِ لطافت نصیر دین کرد احسن از رخ خود ایں دیار را

مسعود بک ایک صاحبِ حال بزرگ تھے۔ بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی "عشقِ حقیقی کی آگ ان کے سینے میں سلگتی رہتی تھی اور اس کے شرارے کبھی کبھی شعر کی صورت میں نمودار ہوتے تھے۔ ان کے دیوان "نورالعین" کا ایک ایک شعر اور ان کی "مراۃ العارفین" کی ایک ایک سطر ان کے جذبے اور کیفیت کی غمّاز ہے۔" دیوان اور مراۃ العارفین کے علاوہ مسعود بک نے عین القضاۃ ہمدانی کی تمہیدات پر حاشیہ بھی لکھا۔ شیخ عبد الحق محدّث دہلوی مسعود بک کے افکار و عقاید کے بارے میں یہ اظہارِ رائے کرتے ہیں کہ وہ نہایت عالمِ سُکر میں رہتے تھے۔ سخن مستانہ کے مرتکب ہوتے اور چشتیہ سلسلے میں کسی صوفی شیخ نے اس طرح اسرارِ حقیقت کو فاش نہیں کیا جو مسعود کا شیوہ تھا۔ محدث دہلوی تو یہاں تک لکھ گئے ہیں کہ مسعود بک کی آنکھوں سے "نکلنے والے آنسو اس قدر گرم ہوتے تھے کہ اگر کسی کے ہاتھ پر گر جائیں تو اسے جلا دیں۔"

مسعود بک وحدتُ الوجودی فکر کے داعی اور مبلّغ نظر آتے ہیں۔ شیخ محدّث دہلوی "سخن مستانہ" اور "اسرارِ حقیقت" سے مسعود بک کے اسی رجحانِ طبیعت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ توحید پر مسعود بک کا ایک شعر اور ایک رباعی پیشِ خدمت ہے:

رفت ز مسعود بک جملہ صفاتِ بشر چونکہ بہاں ذات بود، یار جہاں ذات شد

یہ شعر وحدت الوجودی عقیدے کا ترجمان ہے۔ مسعود اس شعر میں خود کو جملہ صفاتِ بشری سے بالاتر، اسی کی ذاتِ حقیقی میں مدغم بتاتے ہیں۔ وہی نعرۂ منصور حلّاج: انا الحق۔

اسی ضمن میں مسعود بک کی یہ رباعی بھی ملاحظہ فرمائیے:-

گر از خودی خویشش بدن آئی تو در پردۂ توحید درون آئی تو
وہ از روغنِ چون و چرا درگذری از خود شدہ، بی چرا و چون آئی تو

مسعود بک اور اسی طرح کے دوسرے مشائخ و صوفیائے کرام پر جو کیفیت اور عالمِ بیخودی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طاری رہتا تھا، اس کی وضاحت شاہ عبدالعزیز اس طرح فرماتے ہیں کہ: غلبہ حال کی ایک صورت یہ ہے کہ توجہ ایک طرف ایسی ہو جاتی ہے کہ دوسری جانب ملحوظ نہیں رہتی یا فرطِ مسرت دلنشاط میں چند گستاخانہ کلمات اضطراراً نکل جاتے ہیں[۱]

بہرحال فقہائے معاصر نے ان کے خلاف قتل کا فتویٰ دے دیا اور انھیں قتل کر دیا گیا۔ روضۃ الاقطاب میں علمائے وقت سے ان کے ناخوشگوار تعلقات اور ان کے خلاف قتل کے فتوے کے بارے میں صرف اتنا لکھا ہے کہ: علمائے روزگار را با وی نقاری تمام، چنانچہ بہ فتوی ایشان مثل حسین منصور بہ قتل آمد[۲]

صادق ہمدانی نے مسعود بک کے بارے میں لکھا ہے کہ ۸۰۰/۱۳۹۷ میں ان کے خلاف فتویٰ صادر ہوا اور انھیں منصور حلاج کی طرح قتل کر دیا گیا اور قتل کرنے کے بعد ان کے جسد کو نذر آتش کر دیا گیا[۳] (طبقات شاہجہانی: ۲۴۔

اس طرح دہلی میں وحدت الوجودی فکر کے حامل دو مشائخ کو قتل کر دیا گیا۔ ایک شیخ احمد بہاری اور دوسرے مسعود بک۔ مآخذ اس حقیقت کی نشان دہی بھی کرتے ہیں کہ علمائے وقت و فقہائے معاصر نے ان مشائخ کے خلاف قتل کا فتویٰ دیا۔ یہ فتویٰ صحیح تھا یا غلط یہ ایک دوسری مفصل بحث کا موضوع ہے اور فی الحال ہمارے دائرۂ کار سے خارج۔ اتنا ضرور کیا جا سکتا ہے کہ ان مشائخ کرام کا مقدمہ اسی تفصیل کے ساتھ جو ہمیں معلوم ہے اور جس کا ابھی ذکر کیا گیا، اپنے چند معروف، صاحب علم اور خدا رسیدہ مشائخ کی عدالت میں پیش کریں اور ان حضرات کے بارے

---

[۱] ملفوظات شاہ عبدالعزیز دہلوی (اردو ترجمہ) ص ۴۴۔

[۲] روضۃ الاقطاب: ص ۸۸، بقول پروفیسر نظامی بعض تذکروں میں ان کا سالِ وصال ۸۰۰/۳۹۷ لکھا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو ان کے قتل کی ذمے داری فیروز شاہ پر عاید نہیں ہوتی۔

[۳] طبقات شاہجہانی (مخطوطہ مخزونہ عربی و فارسی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ٹونک) ص ۲۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس مسئلہ میں رائے لیں۔ آیا ان کی نظر میں اس نوعیت کے قتل کا جواز موجود تھا یا نہیں؟ اس طرح یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ علماء و مفتی حضرات کے اقدام کی کس حد تک توثیق یا تنسیخ فرماتے ہیں۔

حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر نے ایک موقع پر فرمایا تھا:

عبادتِ الٰہی سے عشق کی تکمیل ہوتی ہے۔ عبادتِ الٰہی سے اسرارِ الٰہی معلوم ضرور ہوتے ہیں، لیکن ان کا اظہار کرنا عشق کے منافی ہے۔

لیجیے، حضرت بابا صاحب نے تو وضاحت سے فرما دیا کہ رموز و اسرارِ عشق کا اظہار خود قانونِ عشق کی خلاف ورزی ہے۔ اس خلاف ورزی کی سزا کیا ہوگی۔؟ یہ مسئلہ جواب طلب رہ گیا۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے بھی اپنے پیر و مرشد کے اس تقوے کی توثیق و وضاحت حسن دہلوی کے ایک سوال کے جواب میں نہایت عام فہم انداز میں اس طرح فرمائی ہے کہ:

حسن دہلوی نے دریافت کیا کہ اکثر بزرگ اپنے احوال پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اس میں کیا حکمت ہے؟ آپ نے جواب مرحمت فرمایا کہ اگر راز فاش کرتے ہیں تو دوسرے کے راز کی محرمی کے لائق نہیں رہ جاتے۔ مثال کے طور پر اگر ایک شخص دوسرے سے کوئی راز کی بات کہے اور راز سننے والا یہ راز کسی پر ظاہر کر دے تو اس کے بعد راز ظاہر کر دینے والے سے پہلا شخص جس نے راز بتایا تھا، کبھی کوئی راز نہیں کہے گا۔[۵]

درج ذیل اشعار میں خواجہ نظام الدین اولیاء کے اسی ملفوظِ نظر کی ترجمانی کی گئی ہے:

سرِ حق آں را سزد آموختن کوز گفتن لب تواند دوختن
ہر کرا اسرار کار آموختند مہر کردند و دہانش دوختند

۵۔ فوائد الفواد: (اردو ترجمہ) ص ۹۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نخشبی اسی دَور کے ایک بزرگ ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب "سلک السلوک" میں اعلان کیا ہے کہ:

کلماتِ قدسی را تفسیر کردن حلال است امّا رموزِ عشق را بیان کردن حرام است بزرگی می گوید: وقتی من در واقعہ حسین منصور متفکر بودم و فکری کردم کہ او چوں بندۂ بود از بندگانِ صادق، با او ایں سیاست از چہ رفت؟ در سرِ من فرو خواندند: سرّی از اسرارِ عشق با او در میاں نہادند۔ او آں را کشف کرد۔ انا الحق گفتن گرفت۔ ہر کہ سرِّ بادشاہاں کشف کند او مستحق و مستوجب سزا باشد[1]

(کلماتِ خداوندی کی تفسیر جائز لیکن رموز عشق و محبت کا بیان حرام ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا: میں ایک بار حسین منصور کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ پر غور و فکر کر رہا تھا۔ اور سوچ رہا تھا کہ وہ تو خدا کا ایک سچا بندہ تھا۔ اس کے ساتھ جزا و سزا کا یہ واقعہ کیوں پیش آیا؟ اس کا جواب مجھے یہ دیا گیا کہ: اسے عشق و محبت خداوندی کے اسرار و رموز میں سے ایک راز بتا دیا گیا تھا۔ اس نے اس راز کو اہل دنیا پر ظاہر کر دیا اور انا الحق (میں حق ہوں) کہنا شروع کر دیا۔ جو بھی بادشاہوں کے اسرار و رموز ظاہر کرتا ہے سزا کا مستحق ہوتا ہے۔)

اسی طرح حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ نے وحدت الوجودی فکر کے امام شیخ محی الدین ابن العربی کے افکار کو مزخرف تک کہدیا۔ حضرت گیسو دراز کو فصوص الحکم کے نظریات پر صرف اعتراض ہی نہیں تھا بلکہ وہ اس کی تردید میں ایک رسالہ بھی لکھنا چاہتے تھے۔ سید اشرف جہانگیر سمنانی نے انھیں اس ارادے سے باز رکھا[2]

شاہ نور محمد مہاروی کا قول ہے:

---

[1] سلک السلوک (مطبع مجتبائی) ص ۴۶۔

[2] مکتوبات شاہ محب اللہ الہ آبادی (قلمی) بحوالہ تاریخ مشائخ چشت، ص ۴۳۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بدایم ماضیہ کہ حوادث واقع می شدند محض برائے اظہار وحدت الوجود بود[1]

(پچھلی امتوں پر جو حوادث نازل ہوئے اس کی وجہ وحدت الوجود کا اظہار تھا۔)

حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی نے بھی فرمایا ہے کہ:

مسئلۂ وحدتُ الوجود را پیش ہر آشنا و بیگانہ نخواہید بر زبان آورد[2]

(وحدتُ الوجود کو ہر آشنا و بیگانہ کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہیے۔)

ایسے ہی اقوال و بیانات کی روشنی میں پروفیسر خلیق احمد نظامی نے یہ صحیح نتیجہ اخذ کیا ہے کہ: مشائخِ چشت کی یہ کوشش رہی تھی کہ ایسی کتابیں پڑھی اور پڑھائی جائیں جن سے مرید جذبۂ عشق تو بیدار ہو، لیکن سکر کی کیفیت پیدا نہ ہونے پائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے شریعت کی بندشیں ضروری سمجھی جاتی تھیں۔ منصور کے شعلۂ عشق کی تپش سے وہ اپنے نہاں خانۂ دل کو گرم ضرور رکھنا چاہتے تھے، لیکن اگر زبان پر صدائے انا الحق آجائے تو دار و رسن کو اس کی جائز سزا سمجھتے تھے۔

---

[1] مناقب المحبوبین: ص ۹۰

[2] مکتوباتِ کلیمی: ص ۴۲

© rasailojaraid.com